معرفت کے پھولوں کی مہک!

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ

آفتابِ نبوت کے غروب ہوتے ہی ایمانی روشنی میں اضمحلال وضعف رونما ہونا شروع ہوگیا تھا۔ عہدِ نبوت میں ایمان ویقین کی جو تابانی وشدت تھی وہ روز بروز زوال پذیر ہوتی رہی۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ کی حیاتِ مقدسہ میں صحابہؓ کی جو ایمانی کیفیت تھی، وصال کے بعد اس میں اضمحلال شروع ہوا، بلکہ حیاتِ مقدسہ میں حضور وغیبت کا فرق نمایاں تھا۔ صحابی رسول حضرت حنظلہؓ کا مشہور واقعہ صحیح مسلم وغیرہ میں مذکور ہے کہ: ایک دفعہ کہیں جارہے تھے، راستہ میں حضرت صدیق اکبرؓ ملے، پوچھا: کہاں جارہے ہو؟ جواب دیا کہ کیا: پوچھتے ہو، حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ صدیق اکبرؓ فرمانے لگے: سبحان اللہ! خیر تو ہے؟ کیا کہتے ہو! جواب دیا کہ ہم جب حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں ہوتے ہیں، آپ ﷺ جب جنت دوزخ کا تذکرہ فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، لیکن گھر آکر دنیا کے دھندوں میں مشغول ہوکر اور بیوی بچوں میں مصروف ہوکر یہ کیفیت ختم ہوجاتی ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ سن کر فرمانے لگے کہ: اگر یہ نفاق ہے تو پھر میں بھی اس میں مبتلا ہوں۔ دونوں بارگاہِ نبوت میں پہنچے، حضرت حنظلہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو منافق ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ حضرت حنظلہؓ نے صورتِ حال بیان کی، سننے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''والذی نفسی بیدہٖ إن لو تدومون علی ما تکونون عندی وفی الذکر لصافحتکم الملائکة علی فُرشکم وفی طرقکم ولکن یا حنظلة! ساعة فساعة''۔ (صحیح مسلم، باب فضل دوام الذکر والفکر فی أمور الآخرة)

ترجمہ:..... ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تمہاری یہ حالت جو میری مجلس میں ہوتی ہے یا ذکر اللہ کی حالت میں ہوتی ہے، ہر وقت باقی رہتی تو (تم اتنے اونچے ہوتے کہ) فرشتے تم سے تمہارے گھروں اور

راستوں میں مصافحہ کرتے اور ملتے، لیکن اے حنظلہ! یہ کیفیت کبھی کبھی ہوتی ہے (ہمیشہ باقی نہیں رہتی)''۔

اس واقعہ سے یہ بات واضح ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں حاضری اور غیر حاضری کا فرق نمایاں تھا، ایمان ویقین کی کیفیات کے اندر تفاوت ہوتا تھا، پھر حضرت رسالت پناہ ﷺ کی وفات کے بعد تو ظاہر ہے کہ یہ تفاوت بہت نمایاں ہوگیا۔ جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالکؓ صحابی رسول سے مروی ہے:

''لما كان اليوم الذى قدم فيه رسول الله ﷺ المدينة أضاء منها كل شئ، فلما كان يوم الذى مات فيه أظلم منها كل شئ، قال: وما نفضنا عن رسول الله ﷺ الأيدى حتى أنكرنا قلوبنا''۔

(مسند احمد، ج:۲۱، ص:۳۳۰، ط:مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ترجمہ:.....''جس دن حضور اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہاں کی ہر چیز روشن ہوگئی، لیکن جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو مدینہ کی ہر چیز تاریک ہوگئی اور فرمایا: ہم نے آپ ﷺ کو دفن کرکے ابھی مٹی سے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ اپنے دلوں میں فرق محسوس کرنے لگے''۔

اسی قسم کا مضمون تاریخ ابن کثیر میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے بھی منقول ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابی بن کعبؓ سے ایک حدیث اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے ایک اور حدیث مروی ہے، جن کا حاصل یہ ہے:

''عہدِ نبوت میں نماز ایسے خشوع سے ہوتی تھی کہ نمازی کی نگاہ قدموں سے آگے متجاوز نہیں ہوتی تھی۔ عہد صدیقی میں اس قدر فرق ہوگیا کہ نگاہ قدموں سے آگے بڑھ کر سجدہ کی جگہ سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔ عہد فاروقی میں قبلہ کے رُخ سے نگاہ ہٹ کر دائیں بائیں نہیں جاتی تھی، لیکن جب عہدِ عثمانی آیا اور فتنوں کا دور شروع ہوا تو نمازی کی نگاہ دائیں بائیں جانے لگی''۔

سبحان اللہ! کیا ٹھکانا! صحابہ کرامؓ کی ذکاوتِ حس اور اس دقیق محاسبہ کا کہ کس طرح اپنی عبادات کا جائزہ لیتے تھے اور اپنے قلوب کی کیفیات اور اعمال کا کیسا محاسبہ کرتے تھے، ٹھیک جس طرح ہم آج اپنی معمولی سی جسمانی کیفیت کے فرق کو محسوس کرتے ہیں اور اس کی تدبیر میں لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرات صحابہ کرامؓ روح وقلب کے تغیرات کا جائزہ لیا کرتے تھے اور اس کی فکر کرتے تھے اور اصلاحِ حال کی تدبیر اختیار فرماتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:

حضرت رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کے بعد ہر چیز میں تغیر آ گیا، کوئی چیز بھی اپنی حالت پر باقی نہیں رہی بجز نماز اور پھر فرمایا: ''وھذہ الصلاۃ قد ضُیِّعَتْ'' اور یہ نماز بھی ضائع ہوگئی۔

مطلب یہ کہ نماز بھی ایسی نہیں رہی۔ حقوق و آداب، خشوع و خضوع سے جس طرح پہلے ہوتی تھی، وہ بات اب نہیں رہی۔ حضرت حسن بصریؒ نے ایک مرتبہ اپنے زمانہ کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''واللّٰہ لقد أدرکت سبعین بدریاً أکثر لباسھم الصوف ولو رأیتموھم قلتم مجانین، ولو رأوا خیارکم لقالوا: ما لھؤلاء من خلاق ولو رأوا شرارکم لقالوا: ما یؤمن ھؤلاء بیوم الحساب''۔ (حلیۃ الأولیاء، ج:۲، ص:۱۳۴)

ترجمہ: ..... ''بخدا میں نے ستر بدری صحابہؓ کو دیکھا جن کا زیادہ تر لباس صوف ہوتا تھا اور وہ صحابہؓ ایسے تھے کہ تم اگر ان کو دیکھتے تو تم ان کو دیوانہ کہتے اور اگر وہ تمہارے بہترین لوگوں کو دیکھتے تو کہہ دیتے کہ ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور اگر وہ تمہارے برے لوگوں کو دیکھتے تو فرما دیتے کہ: یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں''۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ صحابہؓ اور بالخصوص بدری صحابہؓ آخرت کے کاموں اور اللہ و رسول ﷺ کی مرضیات میں ایسے منہمک تھے جس کی وجہ سے ان کو نہ اپنی جان کی فکر تھی، نہ اپنی اولاد کی، نہ دنیا کے عیش و آرام کا خیال۔ بہرحال ایسے لوگوں کو دیکھ کر یہی کہا جائے گا کہ یہ تو دیوانے ہیں اور تمہارے صلحاء اور بہترین اشخاص بھی اپنی جان، اپنی اولاد کی فکر کو مقصود بنائے ہوئے ہیں، اس لیے ان کو دیکھ کر کہا جائے گا کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے اور تمہارے شریر اور بدکار لوگوں کو دیکھ کر کہا جائے گا کہ یہ لوگ آخرت پر ایمان و یقین نہیں رکھتے۔

حضرت حسن بصریؒ تابعی ہیں، ۱۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی اور آج ان کی وفات کو ۱۲۷۷ برس گزر گئے، خیر القرون کے آدمی ہیں، جس کی فضیلت زبانِ نبوت سے ثابت ہے، حسن بصریؒ آج اگر زندہ ہو جائیں اور ہماری حالت دیکھیں تو سوچئے کیا فتویٰ دیں گے؟!۔

ان حقائق سے آپ اندازہ لگائیں کہ صحابہ کرامؓ کے یقین و ایمان کا کیا حال تھا، اگر عہدِ تابعینؒ میں صحابہ کرامؓ کی قوتِ ایمانی کا اندازہ لگانا مشکل تھا تو آج کیونکر ممکن ہے کہ ہم اس کا اندازہ لگا سکیں؟! جو جنس مارکیٹ میں ہی نہ ہو، اس کے حسن و خوبی کا اندازہ کیسے لگایا جا سکتا ہے؟!۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت امیر معاویہؓ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیزؒ؟ آپؒ نے فرمایا:

''وہ جہاد جس میں حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ امیر معاویہؓ شریک تھے، اس جہاد کے غبار کا وہ حصہ جو امیر معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں گیا ہے، وہ بھی ابن عبدالعزیزؒ سے بہتر ہے''۔

یہ کوئی شاعری نہیں ہے، ابن المبارکؒ امت محمدیہ کے فقیہ ومحدث امام ہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے کبار تلامذہ میں سے ہیں، ابن المبارکؒ کے اس فتویٰ کو شیخ ابن حجر ہیثمیؒ نے ''تطهير الجنان'' میں نقل کیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی فضیلت فوق العادت ہے، جس سے ان نفوسِ قدسیہ کی قوتِ ایمانی اور قرب عنداللہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ حضرات کمالِ ایمان وکمالِ تقویٰ پر فائز تھے، جس کا نام قرآن کریم میں ''ولایت'' ہے، ارشاد ہے:

''أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ''۔ (یونس:۶۲)

ترجمہ:..... ''سنو! اللہ تعالیٰ کے اولیاء جن پر قیامت کے دن نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، وہ لوگ ہیں جو کامل طور پر ایمان لائے اور جنہوں نے کمالِ تقویٰ اختیار کیا''۔

ایمان کے بعد مدارِ قرب وکرامت عنداللہ تقویٰ ہے۔ جو حضرات سراپا تقویٰ بن جاتے ہیں، ان کی صحبتیں، ان کی مجلسیں، ان کی ملاقات اصلاحِ حال میں عجیب تاثیر رکھتی ہے۔ یہی ہیں وہ پاکباز نفوس، جن کی صحبت سے دل ودماغ پر ایسے نقوش مرتسم ہوجاتے ہیں جو تنہا عبادت وریاضت سے سالہا سال میں ممکن نہیں، اسی کو کہا گیا ہے:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حدیثِ نبوی میں ایک واضح علامت ولی اللہ کی یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے، فرمایا گیا:

''وخيار عباد الله إذا رؤا ذكر الله''۔

''اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں کہ جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آجائے''۔

تاریخ ابن کثیر میں حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں امام یونس بن عبیدؒ سے منقول ہے:

''كان الرجل إذا نظر إلى الحسنؒ انتفع به وإن لم ير عمله ولم يسمع كلامه''۔

''حضرت حسن بصریؒ کو صرف دیکھنے سے نفع ہوتا تھا، اگرچہ ان کا عمل دیکھا نہ جائے اور نہ ان کی گفتگو سنی جائے''۔

یہی وہ جلیس صالح ہے جس کی مثال حدیث میں ''کحامل المسک'' بیان کی گئی ہے، یعنی صالح ہم نشیں کی صحبت سے ایسا فائدہ ہوتا ہے جیسے مشک اٹھانے والے کو مشک سے۔ صحبت کی یہی تاثیر ہے جس کی وجہ سے سلاسل صوفیہ میں سے سلسلہ نقشبندیہ میں صحبتِ شیخ پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کے انفاسِ قدسیہ جذب کرنے کا یہ متوارث سلسلہ ہے، اسی لیے شیخ سے عقیدت، ربط و محبت ضروری ہے۔ اگر شیخ باکمال ہے اور مرید کا یہ حال ہے تو غیر شعوری طور پر خود بخود محب جاں نثار اپنے محبوب کا نمونہ ہوگا، اور جتنی محبت اور صلاحیت ہوگی، اس کے مطابق یہ نقشہ تیار ہوگا۔ بعض عشاق منازلِ عشق منٹوں میں طے کر لیتے ہیں، جبکہ دوسرے سالہا سال میں اس سے محروم رہتے ہیں۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ عشق و محبت، پاکیزگی کی یہ داستانیں اب کہاں تلاش کی جائیں؟! معرفت و قربِ الٰہی کے یہ خم خانے کہاں سے لائے جائیں؟! یہ گلستان اب خزاں کی زد میں آچکا ہے اور اس گلشن کی ویرانی آنکھوں کے سامنے ہے، مشامِ دماغ کو معطر کرنے کے لیے معرفت کے پھولوں کی مہک کہاں سے لائی جائے؟!۔ مادیت کے اس دور میں، بے حیائی و فواحش و منکرات کے زمانے میں یہ افسانے پارینہ نہیں تو کیا ہیں؟!۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح مادرزاد نابینا سیاہ و سفید میں فرق نہیں کرسکتا، اسی طرح مادیت کے دور میں اس کا امکان نہیں ہے کہ عہدِ نبوت و عہدِ صحابہؓ اور قرونِ مشہود لہا بالخیر کی ایمانی کیفیت کا اندازہ لگایا جائے۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ جن دو چار ہستیوں کو ہم نے دیکھا ہے اور پایا ہے، آج ان کے ایمانی ملکات اور اپنے رب سے تعلق کی نظیر کہیں نہیں ملتی اور ان حضرات کا اپنے بزرگوں کے بارے میں یہی نظریہ تھا، یہ تنزل عہدِ نبوت سے شروع ہو چکا ہے اور چودہ سو سال سے جاری ہے۔ چونکہ اس دین کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اس لیے اس تنزل کے باوجود دین سے تعلق رکھنے والے موجود ہیں اور دین کے مختلف گوشوں میں کام ہو رہا ہے۔ بسا غنیمت ہیں وہ حضرات کہ مادیت کے اس تاریک دور میں بھی ذکر اللہ اور تعلق مع اللہ سے گلشنِ معرفت کی آبادی میں لگے ہوئے ہیں، لیکن افسوس کہ یہ بقایا صالحین سرعت سے آخرت کی طرف جا رہے ہیں۔